مشکور حسین یاد کی انشائیہ نگاری

ڈاکٹر سائرہ بتول*

Abstract:

Mashkoor Hussain Yaad begain to write Inshaeya at the very start of his literary career. Many a critic denied his status as an Inshaeya Nigar. This thesis offers an analysis of the style in his Inshaeya. It leads us to the conclusion that his style has the shades of an Inshaeya and he has established a liaison `with his readers through his Inshaeya. Mashkoor's Inshaeya mirrors the very religious, spiritual, economic and socio-political shades of his period.

مشکور حسین یاد قصبہ بٹولی، ضلع مظفر نگر، یو۔ پی۔، بھارت کے سادات خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ بٹولی کو دریائے جمنا نے دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس وجہ سے اس قصبے کا ایک حصہ ضلع کرنال میں آ گیا۔ مشکور حسین یاد حصار کے گاؤں ڈبوالی میں ستمبر ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کی ملازمت کی وجہ سے تعلیم و تربیت ضلع حصار مشرقی پنجاب میں ہوئی۔ ایف اے کا امتحان لدھیانہ سے اور بی۔ اے کا امتحان جالندھر سے پاس کیا۔ لکھنے پڑھنے سے دلچسپی تھی۔ چنانچہ پہلے ایک ہفتہ وار اخبار ''پکار'' کی ادارت سنبھالی پھر راشننگ کے محکمہ میں انکوائری افسر ہو گئے لیکن جلد ہی اس محکمہ کو چھوڑ کر مزید تعلیم جاری رکھنے کے لئے ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی سکول ڈبوالی میں انگریزی کے استاد بن گئے۔ ابھی ایک ماہ بھی نہ پڑھایا تھا کہ اگست ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ والد صاحب کے علاوہ ان کی ماں بیوی، بیٹی، بھائی اور دوسرے قریبی عزیز شہید ہوئے۔ آزادی کی راہ میں اتنی بڑی قربانی دے کر نومبر ۱۹۴۷ء میں مشکور حسین یاد آزادی کی سرزمین پاکستان میں داخل ہوئے۔ یہاں کچھ عرصے ڈائریکٹر تعلیم لاہور کے دفتر میں کلرک کی حیثیت سے کام کیا۔ بعد ازاں محکمہ انہار میں ضلع دار ہو گئے۔ یہ محکمہ طبیعت کو راس نہ آیا اُسے چھوڑ کر محکمہ تعلیم کی طرف رجوع کیا۔ ۱۹۵۵ء میں اردو میں ایم۔ اے۔ کیا اور ۱۹۶۰ء میں فارسی میں ایم۔ اے۔ کیا اور گورنمنٹ کالج، لاہور میں شعبہ اردو سے منسلک ہو گئے۔

مشکور حسین یاد اپنے ادبی سفر کے آغاز سے ہی انشائیے کی طرف مائل رہے ہیں۔ جس دور میں اس

* شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

صنف کے لئے انشائیے کی اصطلاح ابھی پوری طرح مروج نہیں ہوئی تھی اس وقت اسے نثرلطیف ‘لطیف پارہ وغیرہ کے نام سے موسوم کیا جارہا تھا تو مشکور حسین یاد کا قلم ادھر راغب ہو چکا تھا۔ڈاکٹر سلیم اختر اس بات پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ اتنے سینئر انشائیہ نگار کو اس صنف ادب کے مزاج سے لاعلم قرار دینا اور ان کا ذکر بہت بعد کے انشائیہ نگاروں کے ساتھ کرنا ناانصافی ہے:

> ’’انشائیہ کے فن واسلوب سے وابستہ جس بحث کو علمی سطح تک رہنا چاہیے تھا اس نے کردارکشی کی صورت اختیار کر لی ہے جس کا سب سے بڑا شکار مشکور حسین یاد بنا ہے۔‘‘(۱)

اس سے بڑھ کر اور کیا زیادتی ہوسکتی ہے کہ ’’اوراق‘‘ کے نقاد مشکور حسین یاد کو سرے سے انشائیہ نگار ہی تسلیم نہیں کرتے ۔ یہ تعصب کی انتہا ہے کہ جو ادیب اپنے انداز واسلوب کے برعکس دکھائی دے اس کا وجود ہی تسلیم نہ کرو لیکن جب کبھی بھی آزادرائے رکھنے والے غیر جانبدار نقاد انشائیہ پر قلم اٹھاتے ہیں تو وہ مشکور حسین یاد کی خدمات سے چشم پوشی نہیں کرتے ۔ یہی نہیں بلکہ ’’اردوایسیز‘‘ کے مرتب ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی نے تو کتاب مذکور کے مقدمے میں مشکور حسین یاد کی کہنہ مشقی بھی واضح کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ’’ہمایوں کی ۵۶/۵۵ء کی جلدوں میں بھی چند شگفتہ ایسیز پائے جاتے ہیں مثلاً مشکور حسین یاد کا ’’گزارا کیسے ہو‘‘(۲)

مشکور حسین یاد کے انشائیوں کا اسلوب الگ ہے اور ان میں خیال کی آزادانہ لہر طنزیہ وفکری رویوں سے ہم آہنگ سفر کرتی ہے لہٰذا انشائیے کے بعض نقاد انھیں قابل توجہ نہیں سمجھتے۔ مشکور حسین یاد نے جب انشائیہ نگاری شروع کی تھی تو ڈاکٹر وزیر آغا نے ان الفاظ میں انھیں سراہا تھا:

> ’’یاد صاحب نے اپنے پہلے ہی لطیف پارے میں اپنی شخصیت کے ایک پہلو کو بڑے فنکارانہ انداز سے بے نقاب کیا ہے اور ہمیں اپنے تجربے میں شامل کر لیا ہے۔ یاد صاحب نے ’’لائٹ ایسے‘‘ کے بعض دوسرے مقتضیات کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔اختصار‘تخاطب‘غیر رسمی طریق کار اور مزاح کی ہلکی سی آمیزش وغیرہ اور میں انھیں اس کوشش کے لئے قابلِ مبارک باد سمجھتا ہوں‘‘۔(۳)

بعد میں ڈاکٹر وزیر آغا نے انشائیے کی جو شعریات مقرر کیں ان سے جزوی انحراف کے سبب مشکور حسین یاد کو انشائیہ نگار تسلیم نہ کئے جانے کا عندیہ ملتا ہے۔ جس کی طرف ڈاکٹر سلیم اختر نے اشارہ کیا ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا سے اختلاف دراصل مشکور حسین یاد کی انفرادیت کی بنیاد ثابت ہوا۔ مشکور حسین یاد سمجھتے ہیں کہ انشائیے کو ہم ایک دم طنز و مزاح اور فکر و فلسفہ سے تہی نہیں کر سکتے ۔ لہٰذا وہ اپنی تحریروں کو ان عناصر سے خالی نہیں رکھتے ۔ اگر چہ مشکور حسین یاد اس بات کو مانتے ہیں کہ انشائیے کی صنف مضمون/ مقالہ یا طنزیہ ومزاحیہ فن پاروں سے الگ حیثیت کی حامل ہے۔ وہ

یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہم سرسید سے لے کر رشید احمد صدیقی تک مضمون نگاروں یا مزاح نویسوں کو انشائیہ نگار نہیں کہہ سکتے لیکن وہ اس بات کے بھی قائل نہیں کہ انشائیے کو یکسر لطافت وفکر کے عناصر سے محروم کر کے کوئی ایسی صنف بنا دیا جائے جس کا مذاق اڑایا جائے۔ اس لئے جب مشکور حسین یاد سے پوچھا گیا کہ انشائیہ کی صنف ایک عرصے سے ادبی حلقوں میں اختلاف کا سبب بنی ہوئی ہے۔ کیا آپ انشائیہ کو باقاعدہ صنف ادب سمجھتے ہیں؟ تو ان کا جواب تھا:

> ''انشائیہ ہمارے ہاں انگریزی کے Essay کا ترجمہ ہے اور انگریزی میں ایسے پوری طرح ایک صنف ادب ہے تو اردو میں انشائیہ کیسے باقاعدہ صنف ادب نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک بحث ہے کہ ڈاکٹر وزیر آغا صاحب نے پرسنل ایسے کو انشائیہ کہہ دیا اور یوں انشائیہ کو بلاوجہ چھوٹا قرار دے دیا۔ ادبی حلقوں میں صنف انشائیہ کے بارے میں اسی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا اور وزیر آغا سے زیادہ ان کے حواریوں نے یہ غلط فہمی پیدا کی۔''(۴)

مشکور حسین یاد سمجھتے ہیں کہ انشائیہ پرسنل ایسے نہیں بلکہ ایسے کا متبادل ہے۔ اس لئے ان کے ہاں انشائیے کی تعریف وہ نہیں جو ڈاکٹر وزیر آغا اور ڈاکٹر وزیر آغا کی رائے کو درست ماننے والوں، کی نظر میں بنتی ہے:

> ''میں سمجھتا ہوں کہ جب کسی اہل قلم کے پاس کوئی نیا خیال نیا احساس' نیا تجربہ اور نیا مشاہدہ اپنا اظہار چاہتا ہے اور اظہار بھی ایک ادب پارہ کے طور پر۔ تو اہل قلم کی یہ تحریر یقیناً انشائیہ ہوگی۔ انشائیہ کی بنیادی بات یہ ہے کہ جو کچھ اس میں بیان کیا جا رہا ہو وہ ادب کا حصہ ہو۔ اس میں ادب کے تمام تقاضے پورے ہوں۔ باقی رہی بات انشائے لطیف کی تو جب تک ایسے کے لئے کوئی لفظ مختص نہیں ہوا تھا تو اسے انشائے لطیف کہا جاتا تھا۔''(۵)

مشکور حسین یاد کی انشائیے کی صنف کے بارے میں اس کھلی چھٹی کو کہ بس کوئی نیا احساس' نیا خیال ادبی انداز میں پیش کیا جائے' انشائیہ کہلائے گا' ان کے مخالف قبول نہیں کرتے۔ ڈاکٹر انور سدید اور ڈاکٹر بشیر سیفی نے انھیں اس حوالے سے گومگو کی کیفیت کا شکار ایک طنز نگار یا سنجیدہ مضمون نگار قرار دیا ہے' انشائیہ نگار تسلیم نہیں کیا۔ ڈاکٹر بشیر سیفی کہتے ہیں:

> ''یاد اولاً طنز نگار کی حیثیت سے سامنے آئے تھے۔ ''دشنام کے آئینے'' کو انھوں نے طنزیہ مضامین کی حیثیت سے ہی پیش کیا تھا مگر اب وہ اپنی اس کتاب کے مضامین کو بھی انشائیہ ہی کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر انشائیہ کے ضمن میں ان کا کوئی ایک مؤقف نہیں۔ ایک وقت میں وہ جن مضامین کو طنزیہ کہتے ہیں' دوسرے وقت میں انہی کو انشائیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ کبھی وہ انشائیہ کو ام الاصناف کہتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں

اردو میں انشائیہ نے ابھی پوری طرح جنم نہیں لیا۔''(۶)

ڈاکٹر بشیر سیفی کے خیال میں مشکور حسین یاد دوانتہاؤں کو انشائیہ کی کڑی سے جوڑنا چاہتے ہیں۔''دشنام کے آئینے میں'' میں طنزیہ مضامین زیادہ ہیں اور''جوہر اندیشہ'' میں سنجیدہ مضامین۔ اگر ان مضامین کو وہ انشائیہ قرار دینے پر اصرار نہ کریں تو ان کے بین بین جو شگفتہ تحریریں ان کے ہاں پائی جاتی ہیں انھیں انشائیہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر بشیر سیفی ان کی جن تحریروں کو انشائیہ کہتے ہیں ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''اصل انشائیہ ان دونوں رویوں کے بین بین ہوتا ہے یعنی اس میں اسلوب کی وہ شگفتگی سامنے آتی ہے جو بعض اوقات محض بے ساختگی کا دوسرا نام ہے اور ساتھ ہی اس میں فکری بالیدگی اور نکتہ آفرینی کا جوہر اجاگر ہوتا ہے جو سامنے کی پیش پا افتادہ چیز یا خیال میں چھپے ہوئے مفہوم کو سامنے لانے کی ایک کاوش ہے اور اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات مشکور حسین یاد کو اس امر میں کامیابی نصیب ہوئی ہے۔'جوہر اندیشہ' میں انکا یہی انداز سامنے آتا ہے وہ' تجربہ اور نا تجربہ کاری' 'ناک پکڑنے کا عمل' اور' لمحے کا دوام' وغیرہ انشائیوں میں نکتہ آفرینی کا عنصر نمایاں ہے۔ ان انشائیوں کا اسلوب بھی رواں دواں اور دلکش ہے اور قاری کی دلچسپی کو برقرار رکھتا ہے۔''(۷)

مشکور حسین یاد کی انشائیہ نگاری اور ان کے اسلوب کے حوالے سے ڈاکٹر بشیر سیفی کی رائے متوازن نہیں ہے۔ اگرچہ انھوں نے آخر میں تسلیم کیا ہے کہ جہاں مشکور حسین یاد نکتہ آفرینی سے کام لیتے ہیں وہاں اسلوب رواں دواں اور شگفتہ ہے تاہم مجموعی طور پر ڈاکٹر بشیر سیفی کی رائے ڈاکٹر انور سدید کی رائے کا عکس ہے۔ سوچ کا زاویہ مختلف ہونے کی وجہ سے سرمو یاد صاحب کی تحریروں کو طنزیہ یا سنجیدہ مضمون کے کھاتے میں ڈال دینا ضروری نہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر مشکور حسین یاد کے اسلوب اور انشائیہ نگاری کا دفاع ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''آخر جب ادب کی تمام اصناف میں تجربات' جدتوں اور اختراعات کا سلسلہ جاری ہے بلکہ ان میں سے وہ اصناف ادب جن میں ردو قبول کا عمل جاری رہتا ہے وہی انسان کی تروتازگی کا باعث ہوتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ انشائیہ''زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد'' بنا کر رکھ دیا جائے۔''(۸)

مشکور حسین یاد کے انشائیوں میں جو خوبیاں پائی جاتی ہیں وہ ان کے معاصرین میں نہیں ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ کہیں ان کے ہاں فلسفیانہ اور مفکرانہ انداز آجاتا ہے مگر یہ کوئی ایسی خامی نہیں جس کی بنیاد پر انھیں انشائیہ نگار تسلیم ہی نہ کیا جائے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ وہ اضافی خوبی ہے جس کی بنا پر ان کے انشائیے اپنے معاصرین سے مختلف نظر آتے ہیں۔ ان کے انشائیے 'نادانی کا شعور' کی یہ سطریں اس امر کی غماز ہیں کہ انھیں اپنے فن پر پورا عبور ہے۔

''وجود کی لذت نے انسان کے دل و دماغ کو اس طرح مسحور کیا ہوا ہے کہ وہ عدم کے بارے میں سوچنے کی سعی بھی کرے تو کچھ نہیں سوچ سکتا۔خلق ہونے کے بعد پہلی سانس ہی اسے ہستی کے ذائقے سے بھر پور انداز میں آگاہ کرتی ہے کہ وہ پھر اس آگاہی سے دم بھر کے لئے جدا ہونا گوارا نہیں کرتا۔اب اسے کوئی لاکھ سمجھائے کہ میاں ہونے کی لذت کے علاوہ نہ ہونے کی بھی ایک لذت ہے اور وہ اس ہونے کی لذت سے کہیں زیادہ وسعت وانبساط کی حامل ہے لیکن انسان اسے ہرگز تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ہستی کو ثابت کرنے کے لئے وہ طرح طرح کے دلائل پیش کرتا ہے۔طرح طرح سے ذہن کو بقائے دوام کا یقین دلاتا ہے۔''(۸)

اس اقتباس کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ کلبیت اور قنوطیت کے جز او یے نظیر صدیقی کی شخصیت اور فن میں موجود ہیں وہ مشکور حسین یاد کے مزاج میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ معاشرے سے نہ صرف خوفزدہ دکھائی دیتے ہیں بلکہ اشیاء اور مظاہر پر بھی محبت کی نظر نہیں ڈالتے دوسرے رخ سے اگر دیکھیں تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ نہ تو موضوع کو اپنی ذات کا حصہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی انوکھے پہلوؤں کو سامنے لانے کا اہتمام کرتے ہیں بلکہ اس کے برعکس وہ تجربے مشاہدے کے ذریعے دائرہ بناتے ہیں۔اس دائرے کے اندر ان کی تخلیق وجود میں آتی ہے درحقیقت یہ ہی عمل ان کی پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔ان کے ابتدائی ادبی دور میں انشائیہ کا جو مزاج سامنے آتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے انشائیہ کے مقتضیات کو پوری طرح پیش نظر رکھنا ضروری نہ سمجھا۔لیکن اس کے باوجود کہنا پڑتا ہے کہ مشکور حسین یاد بے معنی اور بے عنوان کیفیتوں کو زبان دینے کے ماہر ہیں۔ایک کہنہ مشق انشائیہ نگار ہونے کے ناطے ''ناتجربہ کاری'' کا حسن کیسے بیان کرتے ہیں:

''تجربہ سے پہلے انسان یگانگت کی فضا میں سانس لیتا ہے۔کائنات اس کی مٹھی میں ہوتی ہے اس اعتبار سے نہیں کہ کائنات کوئی مٹھی میں آنے والی شے ہے بلکہ اس اعتبار سے کہ وہ اپنی مٹھی اور کائنات کو دو الگ چیزیں تصور نہیں کرتا۔نہ آگ اسے جلاتی ہے نہ پانی اسے ڈبوتا ہے۔سب تک پہنچنا اور اور سب کو اپنے تک لے آنا اسے نہایت آسان اور سہل نظر آتا ہے۔اس کے راستے میں دیواریں حائل نہیں ہوتیں اور اگر ہوتی ہیں تو اسے یقین ہوتا ہے کہ جب وہ سفر کا آغاز کرے گا یہ خود بخود اس کے لئے راستہ بنا دیں گی۔''(۹)

اس پیراگراف کا جائزہ لیتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے ابتدائی دور میں سنجیدہ مباحث کی طرف زیادہ توجہ مبذول کی اور خیال کی فلسفیانہ جہتوں کو ابھارنے اور پھر انہیں اخلاقی مقاصد کے ساتھ وابستہ کرنے میں کسی

حد تک کامیابی بھی حاصل کی۔لیکن اس کے وجہ سے ان کے فن میں بوجھل سنجیدگی پیدا ہوگئی۔

'لمحے کا دوام' میں بھی انھوں نے ایسی ہی کیفیت کو گرفت میں لینے کی کوشش کی ہے۔جس کا ورود انسان کے لئے خالصتاً مابعدالطبیعیاتی تجربہ محسوس ہوتا ہے۔

> ''ایک دن کا ذکر ہے کہ میں کچھ ایسی ادھیڑ بن میں مصروف تھا کہ ایک بھرپور لمحہ وہ تمام قدرت اور وسعت لے کر وارد ہوا جس کی مجھے مدت سے تمنا تھی۔میں نے اپنی شریک حیات کے پیکر میں حسن انسانی کو جی بھر کر دیکھا۔لطف کی بات یہ ہے کہ اس لمحے کی عمر مثالی لمحوں کی طرح مختصر نہ تھی۔یہ لمحہ منٹوں گھنٹوں کا تو ذکر ہی کیا ہے دنوں تک پھیل گیا۔واضح رہے کہ یہ میری ازدواجی زندگی کا آغاز نہیں تھا کہ اسے میرے جذبات کی تندی وتیزی سے تعبیر کیا جاسکے۔اس وقت میری شادی کو غالباً بارہ سال گزر چکے تھے لہٰذا اس مثالی لمحے کو سراب کسی طرح نہیں کہا جاسکتا۔یہ میری خواہش کی کرشمہ سازی ضرور ہوسکتی ہے۔''(۱۰)

مشکور حسین یاد کے نزدیک انشائیہ میں انکشاف ذات کا مسئلہ اہم ترین ہے۔وہ کہتے ہیں انکشاف ذات کے بغیر کوئی ادیب ایک حرف نہیں لکھ سکتا۔ان کے اس قول کی روشنی میں جب ان کے انشائیوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو وہاں ہمیں یہ کمی محسوس ہوتی ہے کہ انکشافِ ذات کا عنصر ان کے ہاں کم ہے بلکہ ان کے ہاں خارج کی کتھا زیادہ بیان کی گئی ہے۔ان کے انشائیے 'خود غرضی۔ایمان کی اصل اصول' میں انکشاف ذات کی گنجائش تھی مگر وہ آغاز ہی میرؔ کے شعر سے کررہے ہیں۔

> ''اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کی خودغرضی بھی ایک پیاس ہے بلکہ یوں کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ اس خودغرضی میں پیاس کا عالم مسلسل رہتا ہے۔مگر اس مسلسل تشنگی کے باوجود انسانی خودغرضی کا سچا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب انسان آب حیات کو پیچھے چھوڑ کر آگے کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔مجھے اس وقت میر تقی میرؔ کا ایک شعر بے ساختہ یاد آتا ہے:
>
> آب حیات وہی نا جس پہ خضر و سکندر مرتے تھے
> خاک سے ہم نے بھرا وہ چشمہ یہ بھی ہماری ہمت ہے (۱۱)

انشائیے میں اشعار کے استعمال کو بھی مستحسن نہیں سمجھا جاتا۔اس کے علاوہ مشکور حسین یاد کے انشائیوں میں جو چیز مطالعے کی روانی میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے وہ ان کے الفاظ کی ثقالت ہے۔یہ ضروری ہے کہ سنجیدہ نگاری اور بحث آرائی کو انہوں نے اپنی منزل نہیں کہا بلکہ مرورِایام کے ساتھ انہوں نے مزاح نگاری کی طرف بھی پیش قدمی کی۔تاہم مجموعی طور پر ان کا انشائیہ کہیں کہیں چیستاں بن جاتا ہے۔مثلاً

''انسان کے حوالے سے عقیدہ و ایمان عین مادہ ہیں یعنی عین جسم ہیں اور جسم عین ایمان یا عین عقیدہ۔ نہ تو انسانی جسم کے بغیر ایمان اور عقیدہ کوئی معنی رکھتا ہے اور نہ ایمان اور عقیدہ کے بغیر کوئی ٹھوس معنی بر آمد ہوتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ یوں آپ چاہیں تو جسم سے ایمان اور عقیدہ کو الگ کر لیں لیکن پھر ہوگا یہ کہ دونوں ہی تباہ ہو کر رہ جائیں گے۔ اور پھر اس تباہی کی تمام ذمہ داری آپ پر بحیثیت ایک خود مختار انسان کے عائد ہوگی۔''(۱۲)

اس پیراگراف کو سامنے رکھتے ہوئے رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ مشکور حسین یاد نے اپنے انشائیے کو دو مختلف انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی اور بعد میں ان کی سنجیدگی اور فلسفہ آرائی پر طنز و مزاح غالب آ گیا تو دو مختلف اسالیب کے ڈانڈے ان کے اندازِ فن میں ایک ہوتے نظر آتے ہیں ان کے انشائیوں میں جہاں سادگی اور سلاست سے بات کی گئی ہے اور زندگی کے عام تجربوں کو موضوع بنا کر کسی نکتے کے گرد گفتگو کا دائرہ مکمل ہوا ہے وہاں ان کے انشائیے تخلیقیت سے بھرپور اور احساس کی سطح کو چھوتے نظر آتے ہیں۔ لیکن جہاں فکری سطح نا قابلِ فہم حد تک مجرد ہونے لگتی ہے اور مقرون اشیا سے اس کا تعلق ٹوٹ کر خلائی حیثیت اختیار کر لیتا ہے وہاں ان کا انشائیہ دلچسپی کھونے لگتا ہے۔ جہاں ان کا لہجہ خالص علمی اور سنجیدہ ہوتا ہے وہاں انشائیہ مضمون لگنے لگتا ہے۔

''یقین دو طرح سے حاصل ہوتا ہے اول علم و حکمت کے ذریعے اور دوم جہالت کے ذریعے۔ علم و حکمت والے یقین کے اثرات انسانی زندگی پر کائنات سمیت ہمیشہ مثبت مرتب ہوتے ہیں۔''(۱۳)

مجموعی طور پر مشکور حسین یاد کی انشائیہ نگاری اپنا الگ انداز رکھتی ہے اور جدید انشائیہ کی ترویج میں ان کا کافی حصہ ہے۔ وہ انشائیہ نگاری کے ساتھ ساتھ انشائیے کی تنقید میں بھی اپنا حصہ شامل کرتے رہتے ہیں۔ جہاں اردو انشائیہ کی بات ہوئی ڈاکٹر وزیر آغا اور نظیر صدیقی کے ساتھ مشکور حسین یاد کا ذکر ضرور آئے گا۔

مشکور حسین یاد نے روزمرہ زندگی کے حوالے سے جو انشائیے لکھے ہیں جو انھوں نے 'متاعِ دیدہ و دل' کے نام سے اکٹھے شائع کر دیے ہیں۔ جبکہ پہلے یہ ''جوہرِ اندیشہ'' ''بات کی اونچی ذات'' اور ''وقت کا استعارہ'' کے عنوانات سے تین الگ کتابوں میں ترتیب دیے گئے تھے۔ مشکور حسین یاد ایک انشائیے میں کہتے ہیں:

''ادب آدمی کو معاشرے کا بہترین انسان بنا دیتا ہے۔ کیونکہ انسان معاشرے ہی کا فرد ہوتا ہے۔ انسان معاشرے میں اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوتا ہے اور آزاد بھی۔ یہ ذمہ داری یا آزادی وہ اپنی مرضی سے حاصل کرتا ہے۔''(۱۴)

بلاشبہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اردو میں انشائیہ نگاروں کو مضمون نگاروں سے جدا پہچان کے لئے مشکور حسین یاد کے انشائیوں کا جائزہ لینا چاہئے کیونکہ یہ انشائیے اس صنف ادب کے بہترین نمونے کی حیثیت

رکھتے ہیں۔

مشکور حسین یاد کے انشائیوں میں وہ تمام خصوصیات متوازن اور متناسب صورت میں موجود ہیں جو آج ہمیں مغربی زبانوں کے ترقی یافتہ ''ایسے'' میں نظر آتی ہیں۔

لیکن جس خصوصیت کا انہوں نے اپنے انشائیے میں خاص طور پر اضافہ کیا وہ ہے'' پاکستانیت''۔اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسان چاہے کتنا عالمگیر کیوں نہ ہو جائے اس کے باوجود ہر ملک کا لکھنے والا اپنی ملکی انفرادیتوں کو قائم رکھنے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے۔ یہ پہلو مشکور حسین کے ہاں نمایاں نظر آتا ہے کہ وہ کسی بھی موضوع پر انشائیہ لکھ رہے ہوں لیکن مخصوص قومی معنویتوں کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کرتے۔

اس کے ساتھ ساتھ ان کے انشائیوں کا خاص پہلو یہ بھی ہے کہ زندگی کو زندہ رہنے کے قابل بنایا جائے۔ کیونکہ درحقیقت زندگی کے اس اثبات کے بغیر انشائیے میں وہ تازگی اور شگفتگی پیدا نہیں ہو سکتی جس کی غیر موجودگی میں انشائیہ جواب مضمون بن کر رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشکور حسین یاد کے انشائیوں میں جو چہل پہل کی سی کیفیت ہے وہ اسی مثبت مقصدیت کا نتیجہ ہے۔

ان کے انشائیے ان کے مزاج، ذہن اور اُفتادِ طبع کے عین مطابق ہیں۔ان کے انشائیوں کی خوبی یہ ہے کہ ان کے انشائیے بولتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ وجہ جذبے کی گرمی اور گہرائی، وہی کرید اور جستجو جو مسائل پر فکر کرنے کی بنیادی شرط ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہی تازگی، شگفتگی اور بے ساختگی یعنی ایک کامیاب انشائیے کی تمام خصوصیات ان کے ہاں موجود ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے انشائیوں میں شعر کی سی روانی ہے۔انھیں زبان و بیان پر بھی پورا عبور حاصل ہے اور وہ بہت سے علوم پر بھی دسترس رکھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات گہرے فکری مسائل کو انشائیہ کا موضوع بنانے کے باوجود ان کے ہاں زبان کی سلاست اور بیان کی لطافت کا حسن دیدنی ہوتا ہے۔یوں وہ اردو انشائیہ میں اپنا ایک الگ مقام رکھتے ہیں۔

انشائیہ کو تخلیقی ادب میں دوسری اصنافِ ادب کے مقابلے میں وہ مقام حاصل نہیں جو افسانہ، ناول، نظم اور غزل کو حاصل ہے۔لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انشائیہ وسعت کے حوالہ سے اپنے اندر ایک وسیع میدان رکھتا ہے۔اس پہلو کو مدِنظر رکھتے ہوئے جب ہم مشکور حسین یاد کا انشائیوں کے حوالے سے جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ان کے سامنے الفاظ ہاتھ باندھے حاضر رہتے ہیں۔معانی اور مطالب کی چکا چوند ان کے ہاں نظر آتی ہے۔یوں وہ اپنے انشائیوں میں زندگی کا ہر رنگ شامل کرتے چلے جاتے ہیں۔لیکن انشائیہ نگار کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انشائیہ نگار چاہے کوئی اسلوب اختیار کرے، اپنے بنیادی شعور سے آگے نہیں نکل سکتا۔ بقول فرائڈ کہ ''لاشعور سے شعور میں آنے کا مطلب زبان ومکاں سے باخبری ہے یعنی اگر آپ کو زمان ومکاں کا ہوش نہیں ہے تو گویا ہوش ہے ہی نہیں۔شعور کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ہر سامنے کی چیز میں صرف کوئی نیا پہلو تلاش کریں، بلکہ

فرائڈ نے یہ بھی بتایا ہے کہ کہ شعور کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہم تضادات سے باخبر ہوں اور جو میسج ہمارے سامنے آئے اسے ہم معانی پہنا سکیں۔ دکھ، درد، خوشی، خوف غرض جس کیفیت سے بھی ہم گزر رہے ہوں، اس کا ادراک ہمیں ہو رہا ہو۔

اس پہلو کو مشکور حسین یاد نے بھی اپنی کمسنی کے زمانے کے واقعہ سے جوڑا ہے اور لمس کی خوب صورت انداز میں ترجمانی کرنے کی کوشش کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم بچپن یا لڑکپن کے اس خود مکتفی لمس کی سرشاری کو البتہ معصومیت یا بھولپن کا نام دے سکتے ہیں لیکن پھر بھی ہم اس لمس کو جنس کی سرشاری اور لذت سے عاری کسی طرح نہیں کہہ سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اٹھتی جوانی اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے شخص کا جسم ہمارے جسم سے ذرا بھی چھو جائے تو ہمارے جسم میں لذت کا ایک کرنٹ سا دوڑ جائے۔ تو صاحب! ہمیں کہنے دیجئے کہ ہم پر تو پانچ سال کی عمر ہی سے یا اس سے بھی کچھ پہلے سے اٹھتی جوانی کا آغاز ہو چکا تھا۔

مشکور حسین یاد کے اس ذاتی تجربہ کی تصدیق ہم میں سے بیشتر لوگوں کو ہوئی ہوگی یا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہر انسان لمس کی لذت سے آشنا ہوتا ہے لیکن اگر علمی طور پر اس بات کا مطلب فرائڈ کے نقط نظر سے دیکھیں تو کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے لمس کی اہمیت کی تصدیق تجرباتی طور پر بھی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشکور کے انشائیوں میں زندگی کا تجربہ اور مشاہدہ نظر آتا ہے۔ انہوں نے صرف جنسیات ہی کو موضوع نہیں بنایا بلکہ اپنے بعض انشائیوں میں اخلاقی اقدار اور احساس بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً بھلا چاہنے کی خوبیاں، بھلا چاہنا اور صحیح سوچ قریبی تعلق رکھتے ہیں۔

ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کے انشائیوں میں کہیں کہیں ذاتی زندگی کی جھلک بھی پڑتی ہے۔ مثلاً چھوٹا آدمی، معمول کی چھتری، ایسے انشائیے ہیں جو خود فریبی سے بچنا سکھاتے ہیں۔ یہ ان کا کمال ہے کہ زندگی کے واقعات کو انشائیہ میں نئی زندگی عطا کرتے ہیں۔ لیکن اس کی وجہ سے کچھ خامیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں یعنی سنجیدگی اور فلسفیانہ پن اور نصیحت کرنے والا انداز شامل ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے عیب تو پیدا نہیں ہوتا مگر انشائیہ کے انداز میں جدت باقی نہیں رہتی۔ ''وقت'' بھی ان کے انشائیوں کا خاص پہلو مانا جاتا ہے اس حوالہ سے وقت کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے مشکور حسین یاد کہتے ہیں کہ آدمی کی زندگی کو فروغ دینے والے یہ ماہ و سال نہیں ہوتے، اس کا عمل ہوتا ہے۔ اور بلا شبہ یہ سب سے نازک اور اہم مسئلہ ہے جو انھوں نے اپنے انشائیہ میں بیان کیا ہے۔ وقت قدیم ترین زمانے سے ہر تہذیب میں مختلف انداز میں سامنے آیا ہے۔ وقت کو یونان میں پر مینائیڈز اور زینو نے ساکن بتایا تھا۔ یونان، ہندوستان کے علاوہ ایران میں بھی زروان کی شکل میں وقت کو اہمیت حاصل رہی ہے۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی میں نیوٹن کے بعد آئن سٹائن کے ساتھ وقت کا اضافی تصور رائج ہوا۔ مشکور حسین یاد کا خیال ہے کہ وقت حال، ماضی اور مستقبل کی صورت نا قابل تقسیم ہے۔

مشکور حسین یاد اپنے انشائیے کے ذریعے اپنی ذات سے قارئین کو آگاہ کرتے ہیں ہم مشکور حسین یاد کے انشائیوں کے ذریعے زندگی کے گھمبیر مسائل سے آگاہ ہوتے ہیں۔جن مسائل میں زندگی بولتی ہے۔زندگی کے چھوٹے موٹے مسائل حل ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

مشکور حسین یاد کے انشائیوں میں اس کا اپنا عہد بولتا ہے اگر ہم مسلسل ان کے انشائیوں کا مطالعہ کریں تو اس عہد کے مذہبی' روحانی' معاشی اور معاشرتی اور سیاسی حالات سے آگاہی ملتی ہے۔اس مقصد کے لئے مشکور حسین یاد کے مندرجہ ذیل انشائیوں کا مطالعہ کیجیے۔لے سانس بھی آہستہ' لمحے کا دوام' انسانی معاشرہ اور کردار' بڑھاپا سنبھالے نہیں سنبھلتا' واحد متکلم وغیرہ۔ایک مشہور قول ہے کہ جس نے خود کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا۔اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے مشکور حسین یاد فرماتے ہیں کہ جب انشائیہ نگار کے سامنے اپنی ذات کے اسرار کھلتے ہیں تو کائنات کے اسرار بھی کھلتے چلے جاتے ہیں۔یہی اسرار مشکور حسین یاد کے انشائیوں کی دولت ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ''انشائیہ کی بنیاد''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۳۵۷۔

۲۔ ظہیر الدین مدنی، ڈاکٹر، ''اُردو ایسز''، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، بمبئی اوّل، ۱۹۵۸ء، ص ۶۴۔

۳۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''پڑھنے والوں کے خطوط''، ادبِ لطیف، لاہور، ستمبر ۱۹۵۷ء، ص ۲۷۔

۴۔ مشکور حُسین یاد، ذاتی انٹرویو، لاہور، فروری ۲۰۱۰ء۔

۵۔ ایضاً

۶۔ بشیر سیفی، ڈاکٹر، ''اُردو میں انشائیہ نگاری''، ایضاً، ص ۲۵۳۔

۷۔ ایضاً، ص ۲۵۴۔

۸۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، دیباچہ، ''ممکناتِ انشائیہ''، پولیمر پبلی کیشنز، لاہور، اوّل، ۱۹۸۳ء، ص ۳۲۔

۹۔ مشکور حُسین یاد، ''نادانی کا شعور''، متاعِ دیدہ ودل، کلاسیک دی مال، لاہور، مارچ ۲۰۰۹ء، ص ۳۳۔

۱۰۔ مشکور حُسین یاد، ''ناتجربہ کاری''، متاعِ دیدہ ودل، ص ۳۸۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۹۲۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۶۸۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۵۱۲۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۵۱۳۔